POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 July 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 16-07-2025 • Price: 5/- • 22-28 July 2025 • Issue: 28 • Vol:84

۲۲ تا ۲۸ جولائی ۲۰۲۵ء • شمارہ: ۲۸ • جلد: ۸۴

مسلکِ عشق کا مبلّغ: حسرت موہانی

مشتاق احمد

فضل الحسن حسرت موہانی (ولادت: 1880، وفات: 13 مئی 1951) جس وقت ایوانِ ادب میں داخل ہوئے اُس وقت ہماری اردو غزل ابتذال وانحطاط کی شکار ہوچکی تھی۔ چہار طرف خارجی محسوسات اور مریضانہ فکر کا بول بالا تھا۔ ایسی مکدر شعری فضا میں حسرت موہانی نے اپنی اجتہادی فکر ونظر کا چراغ روشن کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انھوں نے آندھیوں کی زور پر اپنا چراغ جلایا اور اردو غزل کو نئی روشنی سے ہم کنار کیا۔ انھوں نے خارجیت اور لذت پرستانہ رجحانات سے دامن بچاتے ہوئے اپنی غزلیہ شاعری کو رندی وہوسنا کی سے پاک رکھا اور اپنی توانا وصحت مند فکر ونظر کی بدولت اردو غزل کو حقیقی اور فطری اظہار کا مرقع بنادیا۔

ہم سب اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ روحِ غزل کی طہارت کے لیے پہلی اذان مولانا الطاف حسین حالی نے دی اور ان کے ہزاروں سجدۂ اصلاح کی بدولت ہی اردو غزل لب ورخسار اور ناف وکمر کے روایتی پسندیدہ موضوعات سے اپنا دامن چھڑانے میں کامیاب ہوئی۔ اگرچہ حالی کو رعایتِ لفظی، معاملہ بندی اور خارجی لوازمات سے غزل کو پاک کرنے کے لیے کم جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی۔ ان کے خلاف صف بندی بھی ہوئی اور انھیں لعن وطعن بھی کیا گیا مگر حالی اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور غزل کی دنیا کی کایا پلٹ ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہماری اردو غزل نئے روپ اور نئے اسلوب میں ڈھلنے لگی۔ اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حالی کی اصلاحی تحریک سے قبل ہماری غزلیہ شاعری موضوعاتی اعتبار سے نہ صرف جذبات کے پُرتصنع اظہار کی آئینہ دار بن گئی تھی بلکہ غزل جسم وجان کی لذت طلبی تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جرأت، انشاء، مصحفی، داغ اور امیر مینائی کے ساتھ ساتھ اس عہد کے بیشتر چھوٹے بڑے شاعروں کی غزلیں مریضانہ احساسات وجذبات کی ترجمان ہوکر رہ گئی تھیں۔ اس عہد کی غزل کس قدر لذت پرستی کی شکار ہوئی تھی اس کی مثال امیر مینائی جیسے صوفی مزاج شاعر کے اس شعر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

جمنا میں کل نہا کر جب اس نے بال باندھے
ہم نے بھی اپنے دل میں کیا کیا خیال باندھے

یہاں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب حسرت موہانی علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے تو مولانا الطاف حسین حالی سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی اور حالی نے نہ صرف ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا تھا بلکہ ان کے باغیانہ تیور کا احترام کرتے ہوئے ان سے بہت سی امیدیں بھی وابستہ کی تھیں۔ حسرت نہ صرف حالی کی امیدوں پر پورے اترے بلکہ ان کی اصلاحی تحریک کے ایک مستحکم ستون ثابت ہوئے۔ حسرت کے دواوین کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد یہ عقدہ واضح ہوجاتا ہے کہ آغاز میں حسرت اپنے پیش رووں کا تتبع کرتے ہیں لیکن انھیں بہت جلد یہ

> **حسرت موہانی خالص غزل کے شاعر ہیں اور ان کی غزل کا موضوع عشق وحسن ہے۔ وہ مسلکِ عشق کے مبلّغ ہیں، اس لیے عشق کا ہر وہ روپ جو انسان کو راہِ انسانیت پر گامزن رکھتا ہے، بے سروسامانی میں بھی قلندرانہ زندگی جینے کی راہ دکھاتا ہے، حُبُّ الوطنی کا سبق سکھاتا ہے، ہر انسان کو اپنے مذہب کا علمبردار بناتا ہے اور دوسرے مذاہب کے احترام کا پابند بھی۔ غرض کہ حسرت کا عشق ایک نسخۂ حیات ہے، ایک آئینۂ کائنات ہے، شیخ ہو کہ برہمن سب کے لیے راہِ نجات ہے۔**

احساس ہوجاتا ہے کہ یہ ڈگر انھیں اپنی منزل تک نہیں پہنچا سکتی لہٰذا وہ جلد ہی روایتی روش سے الگ ہٹ کر اپنی نئی راہ بنانے کی شعوری کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ ان کے اول اور دوم دیوان کے بعد ایک نئی تازگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ شروع میں اپنے پیش رووں سے متاثر ہوئے تھے اس کا ثبوت ان کی غزلوں کے کئی مقطع میں ملتا ہے۔ مثلاً:

غالب و مصحفی و میر و نسیم و مومن
طبعِ حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

☆

حسرت یہ وہ غزل ہے جسے سن کے سب کہیں
مومن سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا

☆

قائم ہے تیرے دم سے طرزِ سخن قائم
پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگِ غزل خوانی

لیکن جلد ہی وہ اپنی طرزِ منفرد کا دعوا بھی کرنے لگتے ہیں اور اردو کے اکابر شعرا کی تو بات چھوڑیے اب وہ فارسی کے بلند قامت شعرا سعدی، جامی اور نظیری کی شاعری کے ہم پلّہ شاعری کرنے کا بھی دعوا کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

اثر جو نغمۂ حسرت میں ہے وہ اور کہاں
کلام دیکھ لیا، سن لیا ہزاروں کا

☆

تو نے حسرت یہ نکالا ہے عجب رنگِ غزل
اب بھی کیا ہم تری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

☆

حسرت اردو میں ہے غزل تیری
پرتوِ نقشِ سعدی و جامی

☆

اردو میں کہاں ہے اور حسرت
یہ طرزِ نظیری و فغانی

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

مختصر یہ کہ حسرت موہانی نے ایک طرف اپنی غزل کو جنسی لذت اور روایتی تصنع وتکلف سے پاک رکھا تو دوسری طرف حسن و عشق کے پیش پا افتادہ مضامین کو اپنی فکرا جتہاد سے حقیقی معنوی پیرہن عطا کیا اور عشق کے موضوع کو معراج بخشا۔ یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ حسرت حسن اور عشق کو لازم وملزوم تسلیم کرتے ہیں اس لیے ان کی شاعری میں حسن و عشق شعوری اور لاشعوری طور پر ہم معنی استعمال ہوا ہے۔ دراصل حسرت کے یہاں حسن و عشق کا کینوس بہت وسیع ہے اس لیے حسرت کی عشقیہ شاعری صرف تقلیدی عشقیہ شاعری نہیں ہے بلکہ ان کے یہاں حسن و عشق 'قوسِ قزح' کی مانند ہے۔ ان کا عشق صادق ہے، خواہ وہ عشق اپنی محبوبہ رفیقۂ حیات کے ساتھ ہو یا ان کا عشق حبِ وطن کی صورت میں، عشقِ رسولؐ ہو کہ کرشن پریم۔ واضح ہو کہ حسرت کا محبوب کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ ان کی رفیقۂ حیات ہے جو تمام تر آزمائشوں میں حسرت کا ساتھ دیتی ہیں اور انھیں آزادی کے لیے سلاخوں کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔ سیاست حسرت کے لیے کسی سنہری مستقبل کی چاہت نہیں ہے بلکہ آزادیِ وطن کے لیے خود کو مٹا دینے کا عشق ابدی ہے، اس لیے چکّی کی مشقت بھی انھیں مغموم نہیں کرتی اور ہر صبح وہ تازہ دم ہو کر چکّی چلانے کے ساتھ ساتھ نعرۂ آزادی بھی بلند کرتے ہیں۔ روکھی سوکھی کھا کر بھی آزادیِ وطن کا صرف خواب نہیں دیکھتے بلکہ اس کی تعبیر کے تئیں پُر امید بھی ہیں۔ بارہا جیل جاتے ہیں اور انگریزی حکومت کی اذیتوں کو سہتے ہیں مگر جب انھیں موقع پرست سیاست دانوں کا اصلی چہرہ دکھائی دیتا ہے تو ابن الوقت سیاست دانوں سے بغاوت بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سیاست ان کا عشق ہے، ان کی عبادت ہے۔ عشقِ رسولؐ کا یہ عالم ہے کہ وہ بارہ مرتبہ طوافِ حرم کو جاتے ہیں اور روضۂ حضورِ اقدسؐ پر خونِ دل سے اپنا دامن بھگوتے ہیں۔ حسرت کا عشق دیر وحرم تک محدود نہیں ہے، ان کے عشق کا کینوس بہت وسیع ہے اس لیے وہ کبھی خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں تو کبھی متھرا میں حاضری دینے کو بھی خوش بختی تصور کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کرشن بھگتی کے انیک روپ کا بکھان ملتا ہے۔ دراصل حسرت کا ظاہر و باطن دونوں ضیائے عشق سے منور ہے اور وہ لمحاتی نہیں ہے بلکہ دائمی ہے۔ بقولِ حسرت:

وہ تم ہو، یا تمھارا درد ہو، کوئی ہو دنیا میں
کیا جس سے تعلق ہم نے پیدا، عمر بھر رکھا

حسرت کے عشقیہ اشعار میں نہ صرف ان کے تصورِ عشق کے ابدی نقوش واضح ہیں بلکہ ان کے تصورِ زیست کا بھی سراغ ملتا ہے۔ دراصل حسرت نے اپنی عشقیہ شاعری کے ذریعے اردو میں 'تہذیبِ رسمِ عاشقی' کی بنیاد ڈالی ہے اور معصومانہ سادگیِ اظہار کی روش کو عام کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

تو نے حسرت کی عیاں تہذیبِ رسمِ عاشقی
اس سے پہلے اعتبارِ شانِ رسوائی نہ تھا

☆

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

☆

سیہ کار تھے با صفا ہوگئے ہم
ترے عشق میں کیا سے کیا ہوگئے ہم

☆

سب غلط کہتے تھے لطفِ یار کو وجہِ سکوں
دردِ دل اس نے تو حسرت اور دونا کردیا

☆

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکرِ دوعالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

☆

ہم نے کس دن ترے کوچے میں گذارا نہ کیا
تو نے اے شوخ مگر کام ہمارا نہ کیا

☆

عرضِ کرم پہ ترکِ وفا بھی نہ کیجیے
ایسا نہ ہو کہ آپ ملا بھی نہ کیجیے

☆

ہوتی ہے روز بارشِ عرفاں مرے لیے
گویا بہشتِ عشق ہے زندہ مرے لیے

☆

عرفانِ عشق نام ہے میرے مقام کا
حاصل ہوں کس کے نغمۂ لے کے پیام کا

یہ ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ حسرت کی شاعری میں کرشن پریم کا بادل جگہ بہ جگہ برستا ہوا نظر آتا ہے۔ چند اشعار کرشن پریم پر بھی ملاحظہ کیجیے:

آنکھوں میں نور جلوۂ بے کیف وکم ہے خاص
جب سے نظر پہ ان کی نگاہِ کرم ہے خاص
کچھ ہم کو بھی عطا ہو کہ اے حضرتِ کرشن
اقلیمِ عشق آپ کے زیرِ قدم ہے خاص
حسرت کی بھی قبول ہو متھرا میں حاضری
سنتے ہیں عاشقوں پہ تمھارا کرم ہے خاص

حسرت کا ایک بڑا کمال یہ بھی ہے کہ جب غزل مخالف فضا پروان چڑھ رہی تھی اس عہدِ آزمائش میں بھی حسرت نے نہ صرف غزل کی انفرادیت کو برقرار رکھا بلکہ اپنی غزلیہ شاعری کے ذریعے غزل کے مخالفین کو بھی غزل کی ہیئتی وسعت اور تہذیبی اہمیت کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ واضح ہو کہ عظمت اللہ خاں نے غزل کے خلاف جس طرح کی صف بندی کا آغاز کیا اور غزل کو موضوعاتی اور ہیئتی دونوں اعتبار سے مجروح کرنے کی کوشش کی وہ غزل گو شعرا کے لیے ایک مشکل دور تھا کیوں کہ احتشام حسین اور سجاد ظہیر نے بھی غزل کو موضوعاتی اعتبار سے جہانِ محدود قرار دے دیا تھا۔ پروفیسر احتشام حسین نے اپنی کتاب 'اعتبارِ نظر' میں کہا کہ: ''غزل پوری زندگی کی ترجمانی نہیں کرسکتی''۔ سجاد ظہیر نے بھی اپنی ایک تقریر میں اور پھر بعد میں اپنی کتاب 'ذکرِ حافظ' مطبوعہ 1956 میں صنفِ غزل کے وجود سے انکار تو نہیں کیا مگر اس کی وسعتِ معنی پر سوال ضرور اٹھایا۔ بقولِ سجاد ظہیر:

''عہدِ حاضر میں ایسی عظیم یا اچھی شاعری کو جس سے آج کل مکمل ذہنی اور روحانی تسکین ہو، غزل کے سانچے میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔''

مگر اس غزل مخالف دور میں بھی حسرت موہانی نے غزلیہ شاعری کو نہ صرف مستحکم رکھا بلکہ اس کو دل پذیر بنانے کی بھی کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی رہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حسرت نے اپنے فنکارانہ شعور کے ذریعے اردو غزل کو ہندوستانی تہذیب کے قریب تر کیا اور یہی وصف ہمیں حسرت کی فطانت اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگرچہ حسرت نے غزل کے ساتھ ساتھ گیت کو بھی فروغ دینے کی کوشش کی اور بالخصوص کرشن پریم کے اظہار میں گیت کی ہیئت کو ترجیح دی۔ مثلاً:

من تو سے پریت لگائی
کاہے اور کی شرط تو نے لگائی
گوکل ڈھونڈو برندابن ڈھونڈو
ورشانا تک گھوم کے آئی
تن من سب وار کے حسرت
متھرا نگر چل دھونی لگائی

حقیقت تو یہ ہے کہ حسرت ہندستان کی مشترکہ تہذیب اور اقدار کے علمبردار تھے۔ مذہب اسلام کے متعلق ان کا واضح نقطۂ نظر تھا کہ اسلام پوری دنیا کے لیے عدل وانصاف اور فلاح و بہبود کا ضامن ہے اس لیے وہ ہمیشہ ہندستان کی تہذیبی علامت بن کر رہے اور یہاں کثیر المذاہب، کثیر الثقافتی امتیازات کو فروغ دیتے رہے۔ دراصل حسرت موہانی کی شخصیت اخلاقیات و روحانیت کی مرقع تھی۔ ان کا ذہن باغیانہ ضرور تھا مگر ان کی طبیعت انکساری اور انسان دوستی جیسی صفاتِ اعلا سے لبریز تھی۔ ان کے انکسار کا اصل سرچشمہ عشق ہے اور وہ ان کی ذات کو آفاقیت عطا کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حسرت موہانی خالص غزل کے شاعر ہیں اور ان کی غزل کا موضوع عشق و حسن ہے۔ وہ مسلکِ عشق کے مبلغ ہیں اس لیے عشق کا ہر وہ روپ جو انسان کو راہِ انسانیت پر گامزن رکھتا ہے، بے سروسامانی میں بھی قلندرانہ زندگی جینے کی راہ دکھاتا ہے، حب الوطنی کا سبق سکھاتا ہے، ہر انسان کو اپنے مذہب کا علمبردار بناتا ہے اور دوسرے مذاہب کے احترام کا پابند بھی۔ غرض کہ حسرت کا عشق ایک نسخۂ حیات ہے، ایک آئینۂ کائنات ہے، شیخ ہو کہ برہمن سب کے لیے راہِ نجات ہے۔ اب میں اپنی بات حسرت کے اس شعر پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو ان کی عشقیہ شاعری کا سرنامہ ہے:

رنگ تری شفق جمالی کا
اک نمونہ ہے بے مثالی کا

پروفیسر مشتاق احمد
پرنسپل، سی۔ایم۔کالج، دربھنگہ (بہار)
E-mail: rm.meezan@gmail.com
Mob. No. 9431414586

رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟
ڈاکٹر شمس بدایونی
قیمت: 300 روپے

کچھ اُداس نظمیں
ہربنس مکھیا
قیمت: 300 روپے

غروبِ شہر کا وقت
اُسامہ صدیق
قیمت: 900 روپے

مشکور حسن مشکورؔ کی شاعری

'ارمانوں کے پھول' کے حوالے سے

ڈاکٹر منصور خوشتر

'ارمانوں کے پھول' مشکور حسن مشکوؔر کا شعری مجموعہ ہے۔ بچپن سے ہی انھیں شعر و شاعری کا شوق رہا ہے۔ روزانہ استعمال میں آنے والی چیزوں مثلاً آم، لیچی، کیلا، بیگن، ٹماٹر، مرچ، لہسن وغیرہ پر موصوف نے نظمیں کہی ہیں۔ کتاب 'ارمانوں کے پھول' کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ 'ہر آدمی کی اپنی خواہشیں ہوتی ہیں جس کی تکمیل میں سرگرداں رہنا اس کا فطری فعل ہوتا ہے۔ میں نے اپنی تمام تر مشکلات و مشغولیت کے باوجود اگر کچھ لکھنے کی جرأت کی ہے تو بیشک انہی خواہشات کی ایک کڑی ہے۔'

'ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم' کے عنوان سے خبیر الحسن علی نگری اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں کہ 'مشکور حسن مشکوؔر کی بے لوث خدمت کی وجہ سے وہاں کے لوگ ان کے ایسے شیدائی تھے کہ ان سے دوری گوارا نہ کرتے، حتیٰ کہ انھیں گھر تک نہ جانے دیتے۔ وہاں کے افراد انھیں اپنا سرپرست، خواتین اپنا گارجین اور بچے اپنا مشفق و مربی استاد سمجھتے تھے۔' وہ بڑے ہی اخلاق مند، منکسر المزاج، غمگسار، ہر ایک کے حامی و مددگار، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ ان کا کلام مزاحیہ اور حالاتِ حاضرہ کے مطابق ہوتا۔

'چند باتیں اور کچھ یادیں' کے عنوان سے محمد علی موسیٰ پکڑیاوی لکھتے ہیں کہ موت برحق ہے اور سبھی کو اپنے اوقات پورا کرنے کے بعد بارگاہِ ایزدی میں جانا ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی دنیا سے گزرے ہیں جو مرنے کے بعد بھی اپنی چھاپ دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک نام مشکور حسن مشکوؔر کا ہے۔ وہ رحلت کر گئے لیکن ان کی بہت ساری یادیں ہمارے درمیان ہیں۔

کتاب کا آغاز ایک دعا سے ہوتا ہے۔ شاعر اللہ کے دربار میں دعا گو ہے:

صحت دے عطا کر مجھے تندرستی
منور ہو آقا مسلماں کی بستی
تو رازق ہے رزاق بس اتنا کر دے
گدا تیرے در کا ہوں جھولی کو بھر دے

کتاب 'ارمانوں کے پھول' میں بہت سی غزلیں شامل ہیں۔ پہلی غزل بھی حمدیہ ہے۔ انسان کی ضرورتیں اللہ کے سوا کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ شاعر دست بستہ اللہ کے حضور میں دعا گو ہے:

حافظ ہے خدا میرا اس کا ہی سہارا ہے
لی اس نے خبر میری جب جب بھی پکارا ہے
اب اس سے بڑی دولت کیا ہوگی مسلمانو!
ہم سب کے لیے اس نے قرآن اتارا ہے

اپنے مزاحیہ انداز میں مشکور حسن مشکوؔر لب و رخسار کی باتیں کرتے ہیں۔ غزلیہ شاعری تو نام ہی محبوب سے بات کرنے کا۔ اپنے منفرد لہجے میں کہتے ہیں:

جیون میں اس کے آئی ہے مستی بھری بہار
بن ٹھن کے کر رہی ہے وہ سنگار آج کل
جب دیکھتا ہوں جان و دل کرتا ہوں میں نثار
اتنا حسین اس کا ہے رخسار آج کل

حالاتِ حاضرہ کی عکاسی کرتے ہوئے شاعر نوجوانوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ اپنے بدن میں حرکت پیدا کرو۔ گھروں سے باہر آؤ۔ جھوٹ اور فریب کے مقابلے کے لیے تیار رہو۔ اگر فعال اور متحرک نہیں رہو گے تو ہر قدم پر دھوکہ ملے گا۔ کیوں کہ ان دنوں انسان کی صورت میں ہر جانب شیطان کھڑے ہیں۔ اپنے انہی خیالات کو شاعر شعری پیکر میں ڈھالتے ہوئے کہتے ہیں:

حرکت بدن میں لا میاں حجرے سے تو نکل
کیوں برف کی طرح ہیں تیرے ہاتھ پاؤں شل
حالات سازگار نہیں اب کہیں اماں
آواز دے رہا ہوں خبردار ہو سنبھل
ہشیار میرے یار کہ دھوکہ نہ دے کوئی
انسان کی صورت میں ہے شیطان آج کل

مشکور حسن مشکوؔر کہتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اپنے اشرف المخلوقات ہونے پر فخر کیجیے اور شیطان کے چکر سے خود بچیے اور دوسروں کو بچائیے، اس لیے جو کچھ بھی مانگنا ہو اللہ سے مانگیے۔ دنیا ایسی جگہ ہے جہاں کسی کو بھی سکون میسر نہیں ہونے والا، اس لیے دکھ، درد اور مصیبتوں میں مسکرانا سیکھیے۔ اپنے احساسات و جذبات کی ترجمانی شاعر اس طرح کرتے ہیں:

دامن کو اپنے حرص و ہوس سے بچائیے
ایسا نہ ہو شیطان کے چکر میں آئیے
دیتا ہے خدا دے گا خدا اس میں شک نہیں
عالی جناب دستِ دعا تو اٹھائیے
دنیا نے کس کو چین دیا ہے کہ آج دے
دکھ درد اور مصیبتوں میں مسکرائیے

اب کچھ باتیں مشکور حسن مشکوؔر کی نظموں کے حوالے سے کرتا ہوں۔ 'آج کل' کے عنوان سے ایک نظم ہے۔ اس نظم کے پہلے بند میں شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا میں آدمی تو بہت سے ہیں لیکن آدمیت غائب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو باپ، بیٹے سے اور بھائی، بھائی سے جدا نہ ہوتا۔ کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں ہے۔ ایسے نازک حالات پر قلم فرسائی کرتے ہوئے شاعر کہتے ہیں:

چل گئی الٹی ہوا ہے اس جہاں میں آج کل
آدمیت کا پتہ ہے اس جہاں میں آج کل
باپ سے بیٹا الگ ہے بھائی سے بھائی جدا
کون کس کو پوچھتا ہے اس جہاں میں آج کل

'قلم' کے عنوان سے مشکور حسن مشکوؔر نے ایک عمدہ نظم لکھی ہے۔ قلم میں وہ طاقت ہے جو تلوار کو بھی زیر کر سکتی ہے۔ قلم کی طاقت سے بڑے بڑے خوف کھاتے ہیں۔ یہ انسان کو عزت و وقار عطا کرتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں:

قلم کے بل پہ ہے ناچتی دنیا
قلم کے خوف سے ہے کانپتی دنیا
قلم عزت و وقار دیتا ہے
قلم زندگی پر بہار دیتا ہے

سبزیوں کا راجا 'آلو' پر مشکور حسن مشکوؔر نے ایک بہترین نظم کہی ہے۔ ایسا کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آلو کی موجودگی کسی نہ کسی شکل میں ہر دسترخوان پر ہوتی ہے۔ معمولی سے دکھائی دینے والی یہ سبزی بہت سی خوبیاں رکھتی ہے۔ کسی نہ کسی شکل میں ہر آدمی اس سبزی کو کھاتا ہے۔ آلو ایک ایسی سبزی ہے جو ہندستان بھر میں پائی جاتی ہے۔ معمولی سی شئے پر ایک عمدہ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھنا ہو جس کو دیکھے شوق سے آلو کی شان
خوبیاں رکھتا ہے لاکھوں گرچہ ہے یہ بے زبان
اس کی بھجیا اس کا بھرتا دل کرے سالن بناؤ
رکھ دو دسترخوان پہ پھر لطف لے لے کر کے کھاؤ
شوق سے کھاتے ہیں انسان اس کی پوری اور بڑی
کر نہیں سکتی ہے سبزی کوئی اس کا ہمسری

'حالاتِ امروز' کے عنوان سے ایک اچھی نظم ہے جس میں عصرِ حاضر پر طنز کے تیر برسائے گئے ہیں۔ آج رشوت کا بول بالا ہے۔ ہر طرف دھاندلی کا بازار گرم ہے۔ رشوت خوری نے ایسی کھلبلی مچائی ہے کہ اس کے بغیر نوکری ملنا محال ہے۔ نوکری کے نام پر بڑی مقدار میں روپے وصولے جاتے ہیں۔ شاعر نے ان حالات پر طنز کرتے ہوئے اپنے اشعار میں کہا ہے:

ہوا آج رشوت کی ایسی چلی ہے
جہاں دیکھتا ہوں وہاں دھاندلی ہے
منسٹر کو ملتا ہے مرغ مسلم
دلالوں کے آگے میں روہو تلی ہے
لٹایا ہے میں روپے کا پلندہ
مجھے نوکری جا کے تب یہ ملی ہے

'مولوی نامہ' میں شاعر نے مولویوں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے۔ مولوی بھٹکوں کو راستہ دکھانے کا کام کرتا ہے۔ وہ لوگوں میں ہدایت کا نور بھرتا ہے۔ لوگوں کو اللہ کے احکام سے واقف کراتا ہے۔ جائز اور ناجائز میں فرق کا سبق پڑھاتا ہے۔ مولوی کی ان خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے شاعر کہتے ہیں:

الفت کا گیت دہر میں گاتا ہے مولوی
بھٹکوں کو راہ راست پہ لاتا ہے مولوی
چین و سکوں سے رہنا سکھاتا ہے مولوی
اجڑے ہوئے گھروں کو بساتا ہے مولوی
لوگوں میں بانٹتا ہے ہدایت کے نور کو
تاریکیوں میں شمع جلاتا ہے مولوی

اس طرح کتاب 'ارمانوں کے پھول' میں مشکور حسن مشکوؔر نے اپنی شاعری کے ذریعے طنز کے پیرایے میں بہت سی نصیحتیں کی ہیں۔ ان کی شاعری بہت سے پیغامات سے مزیّن ہے۔

ڈاکٹر منصور خوشتر
ایڈیٹر سہ ماہی 'دربھنگہ ٹائمز' دربھنگہ
E-mail:darbhangatimes@gmail.com
Mob. No : 9234772764

اردو دُنیا

اردو میڈیا سے وابستہ افراد کو زبان و بیان اور صحافتی اصول وضوابط سے واقف کرانا بہت ضروری ہے- پروفیسر شافع قدوائی

قومی اردو کونسل میں ماس میڈیا پینل کی میٹنگ

نئی دہلی (12 جون، پریس ریلیز)۔قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی کے صدر دفتر میں آج ماس میڈیا پینل کی میٹنگ ہوئی جس کی صدارت علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے جرنلزم اینڈ ماس کمیونی کیشن ڈپارٹمنٹ کے پروفیسر شافع قدوائی نے کی۔اس میٹنگ میں ملک کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات نے شرکت کی۔میٹنگ کے آغاز میں قومی اردو کونسل کے ریسرچ آفیسر ڈاکٹر کلیم اللہ نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا اور اس پینل کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔اس موقعے پر قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ ہر زمانے میں جب نئے چیلنجز اور مسائل آتے ہیں تو راستے بھی نکلتے ہیں۔آپ حضرات میڈیا کے اہم ستون ہیں۔آج میڈیا کے مسائل اور چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ایسے مفید مشورے دیں جن کو بروے کار لاکر اردو میڈیا کے مسائل اور امکانات کے حوالے سے مثبت اور معنی خیز گفتگو کی جاسکے۔پروفیسر شافع قدوائی نے ماس میڈیا پینل کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ یہ پینل ورکنگ جرنلسٹ کے لیے بہت اہم ہے۔بنیادی مسائل سے عدمِ واقفیت کی بنا پر بسا اوقات بہت سی فاش غلطیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔آج اردو میڈیا سے وابستہ افراد کو زبان و بیان اور صحافتی اصول وضوابط سے واقف کرانا بہت ضروری ہے۔اس پینل کے ذریعے ماضی میں بھی قومی اردو کونسل نے اہم ورکشاپ کرائے جن کے مفید اور مثبت نتائج سامنے آئے۔اس طرح کے ورکشاپ کی مزید ضرورت ہے۔ڈاکٹر قاسم خورشید (سابق صدر ایس سی آر ٹی بہار) نے کہا کہ منظر نامہ بدل چکا ہے، بدلتے منظر نامے کے مطابق ہی منصوبہ بنانے کی ضرورت ہے۔پروفیسر دانش اقبال (انور جمال قدوائی ماس کمیونی کیشن ریسرچ سینٹر، جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے کہا کہ آج کے دور میں میڈیا کے جو اہم مسائل ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کیا جانا چاہیے۔جناب محمد سلیم عارف نے کہا کہ تلفظ اس وقت کا اہم مسئلہ ہے۔اس کے لیے ہمیں تھیٹر ورکشاپ اور اسپیکنگ ڈکشنری کی سخت ضرورت ہے۔پروفیسر سیّدہ افسانہ (میڈیا ایجوکیشن ریسرچ سینٹر، کشمیر یونی ورسٹی) نے کہا کہ اردو زبان کو پاپولر بنانے کے لیے اسٹوری ٹیلنگ کا نیشنل پروگرام کیا جائے تو اس سے نوجوانوں کو رہنمائی اور روشنی ملے گی۔ان حضرات کے علاوہ پروفیسر وریندر کمار بھارتی (صدر ڈپارٹمنٹ آف پبلی کیشنز اینڈ ایڈیٹر کمیونی کیٹر جنرل، آئی آئی ایم سی، نئی دہلی)، پروفیسر احتشام احمد خان (اسکول آف ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد)، ڈاکٹر شہباز حسیبی (پی آئی بی)، جناب محمد عبدالستار (وائس پریسیڈنٹ فار دکن اردو ایڈیٹرس کانفرنس، حیدر آباد) وغیرہ نے بھی اظہارِ خیال کیا۔

میٹنگ کے دوران اس پینل کے تحت مختلف ایجنڈوں پر غور و خوض کیا گیا۔ڈاکٹر کلیم اللہ (ریسرچ آفیسر) کے اظہارِ تشکر پر میٹنگ کا اختتام عمل میں آیا۔

اسسٹنٹ پروفیسرس کی اسامیوں پر تقرّری کے لیے پیش رفت

چار یونی ورسٹیوں کی گورننگ کونسل نے منظوری دی

حیدر آباد (2 جولائی)۔ریاست کی یونی ورسٹیوں میں اسسٹنٹ پروفیسرس کی تقرری میں اہم پیش رفت ہوئی ہے۔چار یونی ورسٹیوں کی گورننگ کونسل نے حال ہی میں اسسٹنٹ پروفیسرس کی اسامیوں پر تقرری کی منظوری دی ہے۔باوثوق ذرائع سے پتا چلا ہے کہ مزید آٹھ یونی ورسٹیاں بھی اس سمت میں عنقریب فیصلہ کریں گی۔ساتھ ہی ریاست میں 10 تا 15 سال سے کنٹریکٹ پر خدمات انجام دینے والے اسسٹنٹ پروفیسروں کی خدمات کو جوں کا توں برقرار رکھا جائے گا، یعنی باقی اسامیوں پر ہی تقرری کی جائے گی۔توقع ہے کہ حکومت ان اسامیوں پر تقرری کے لیے نوٹیفکیشن کی اجرائی کے وقت تک کنٹریکٹ پروفیسروں کی جوب سکیوریٹی اور دیگر مطالبات پر واضح موقف کا اعلان کرے گی۔ریاست کی یونی ورسٹیوں میں 31 دسمبر تک جملہ منظور شدہ 2878 اسامیاں ہیں، ان میں 753 پروفیسرس خدمات انجام دے رہے ہیں۔2125 اسامیاں خالی ہیں۔ریاستی حکومت نے اس سال 4 اپریل کو ان یونی ورسٹیوں میں اسسٹنٹ پروفیسرس کی اسامیوں پر تقرری کو یقینی بنانے کے لیے جی او جاری کیا ہے۔دو ماہ گزرنے کے باوجود اس معاملے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔74 فیصد تدریسی عملے کی اسامیاں خالی ہیں اور کنٹریکٹ اسسٹنٹ پروفیسرس کی جانب سے احتجاج بھی کیا گیا ہے۔خالی تدریسی عملے کی تقرری کا نوٹیفکیشن جاری کرنے کے لیے یونی ورسٹی گورنمنٹ کونسل کی منظوری ضروری ہے۔حال ہی میں کاکتیہ، شاتاواہنا، عثمانیہ اور پالمور یونی ورسٹیوں کی گورننگ کونسل کا سکریٹریٹ میں اجلاس منعقد ہوا ہے، جس میں محکمۂ تعلیم کی سکریٹری یوگیتا رانا، کالج ایجوکیشن کمشنر سری دیوا سینا اور محکمۂ فائنانس کے اعلا عہدیداروں نے شرکت کی۔کنٹریکٹ اسسٹنٹ پروفیسرس کی اسامیوں کو چھوڑ کر باقی خالی اسامیوں پر تقرری کے لیے منظوری دی۔مختلف یونی ورسٹیوں میں تحفظات پر عمل کرنے کے لیے روسٹرس پوائنٹس کو تیار کرنے کے بعد نوٹیفکیشن جاری کیا جائے گا۔بتایا جاتا ہے کہ یہ عمل شروع ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔حالیہ گورننگ کونسل کے اجلاس میں کاکتیہ یونی ورسٹی میں 145 شاتاواہنا یونی ورسٹی کے حدود میں نئے انجینئرنگ اور لا کالج قائم کیے جا رہے ہیں۔ان تمام شعبوں کے لیے جملہ 68 تدریسی اسامیاں منظور ہوئی ہیں۔عثمانیہ یونی ورسٹی اور پالمور یونی ورسٹی کے اجلاسوں میں عثمانیہ یونی ورسٹی میں 250 اور پالمور یونی ورسٹی میں 8 اسامیوں کو منظوری دی گئی ہے۔

(سیاست۔حیدر آباد)

اساتذہ کے ٹرانسفر میں اردو زبان کو نظرانداز کیا جانا تشویشناک

نوادہ، بہار (25 جون)۔بہار میں اساتذہ کے حالیہ تبادلوں کے عمل میں اردو زبان کے اساتذہ کے ساتھ ہونے والی مبینہ ناانصافی پر بہار اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن ضلع نوادہ کے صدر مولانا محمد جہانگیر عالم مہجور القادری نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ تعلیمی اداروں میں اردو زبان کی ترویج کے لیے حکومت کی جانب سے کیے جانے والے دعوے اس عمل میں نظر نہیں آئے۔حالیہ اساتذہ ٹرانسفر میں اردو کے اساتذہ کو نہ صرف نظرانداز کیا گیا بلکہ بعض مقامات پر اردو میڈیم اسکولوں میں اردو اساتذہ کی جگہ ہندی اساتذہ کو بھیج دیا گیا ہے جس سے اردو طلبہ و طالبات کی تعلیم متاثر ہونے کا امکان ہے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ اس سے اردو زبان کے فروغ پر منفی اثر پڑے گا اور اردو میڈیم طلبہ کی تعلیمی ضروریات بھی متاثر ہوں گی۔اردو تنظیموں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس معاملے کا سنجیدہ نوٹس لے اور اردو کے اساتذہ کو مناسب نمائندگی دی جائے تاکہ زبان و ادب کا یہ سرمایہ آئندہ نسلوں تک بخوبی پہنچ سکے۔ایک مقامی اردو استاد نے بتایا کہ اردو پرائمری اسکول وارث علی گنج، ضلع نوادہ جہاں اردو میڈیم کے طلبہ و طالبات کی خاصی تعداد ہے وہاں دو ہندی اساتذہ کو بھیجا گیا جب کہ پہلے سے ہی ایک ہندی کے استاد موجود ہیں اور اردو کے ایک بھی ٹیچر کو اس اسکول میں نہیں دیا گیا جس سے اردو کی تعلیم پر منفی اثرات پڑیں گے۔ہم چاہتے ہیں کہ اردو کو دیگر زبانوں کے برابر اہمیت دی جائے، اردو زبان سے محبت رکھنے والے لاکھوں افراد امید کرتے ہیں کہ حکومت اس معاملے میں مثبت قدم اٹھائے گی تاکہ اردو کی روشنی قائم و دائم رہے۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو پرائمری اسکول میں غیر اردو داں اساتذہ کی تقرری جاری

سکرا، مظفر پور (24 جون)۔اردو پرائمری اسکول بسنت پور غوث، مسلم ٹولہ بلاک سکرا، ضلع مظفر پور میں بچوں کی کل تعداد 94 ہے۔تمام بچے اردو بولنے والے ہیں۔اس سے پہلے یہاں صرف دو اردو اساتذہ تعینات تھے، لیکن سال TRE-1, 2023 میں غیر اردو بولنے والے استاد دیپیندر کمار، سال TRE-3, 2025 میں، انامیکا کماری اور سال 2025 کے میگا ٹرانسفر میں، بے بی کماری کو تعینات کیا گیا ہے۔اس طرح اردو پرائمری اسکول میں لگاتار غیر اردو داں اساتذہ کی تقرری جاری ہے جس سے تعلیمی نظام کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے قومی اساتذہ تنظیم کے بلاک صدر نیاز احمد نے کہا کہ یہ اسکول 1994 میں قائم کیا گیا تھا۔مرحوم محبوب عالم خاں نے اسکول کے لیے 10 ڈسمل زمین رجسٹری کی تھی اور ڈیڈ میں اردو پرائمری اسکول بسنت پور غوث، مسلم ٹولہ واضح طور پر درج ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اپنے قیام سے ہی اردو اسکول ہے اور اردو اسکولوں میں تعلیم کی زبان بھی اردو ہوتی ہے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

کاغذنگر کے اردو میڈیم اسکولوں کی حالتِ زار

اتحاد فاؤنڈیشن کے ذمے داروں کی برہمی، سب کلکٹر سے نمائندگی

کاغذنگر (7 جولائی)۔کاغذنگر کے آر بی اردو میڈیم اسکول اور اپر پرائمری اردو میڈیم گرلز اسکول کا آج اتحاد فاؤنڈیشن کے صدر علم الحق نے نائب صدر شیخ فرید اور حفیظ کے ساتھ مل کر اردو میڈیم اسکولوں میں دی جانے والی تعلیمی سہولت اور انفراسٹرکچر کے بارے میں جانکاری حاصل کی۔اس موقعے پر اردو میڈیم اسکولوں کی خستہ حالت اور ناکارہ بیت الخلا نیز خطرناک الیکٹرانک وائرنگ کا جائزہ لینے کے بعد مقامی ٹیچروں سے ملاقات کرتے ہوئے اردو میڈیم اسکولوں کی خستہ حالت پر برہمی اور تعجب کا اظہار کیا۔بعد ازاں مقامی سب کلکٹر سے ملاقات کرکے کاغذنگر کے مختلف اردو میڈیم اسکولوں کی خستہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو میڈیم اسکولوں میں انفراسٹرکچر نہ کے برابر ہے، جس کی وجہ سے طلبہ و طالبات کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس لیے آپ کے ذریعے ریاستی حکومت سے مطالبہ ہے کہ فوری طور پر کاغذنگر میں موجود تمام سرکاری اردو میڈیم اسکولوں میں تعلیمی سہولتوں کے ساتھ ساتھ انفراسٹرکچر کی سہولت فراہم کی جائے تاکہ اردو میڈیم اور دوسرے میڈیم میں فرق نہ رہ سکے۔اس موقعے پر اتحاد فاؤنڈیشن کے صدر علم الحق نے کاغذنگر کی سب کلکٹر محترمہ شردہ شکلا کو اردو میڈیم اسکولوں کے مسائل کے حل کے لیے یادداشت بھی پیش کی۔ (سیاست۔حیدر آباد)

◆◆◆

خالی اردو میڈیم اساتذہ کی تقرری کے لیے نمائندگی

مرزا رحمت بیگ کی ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن سے ملاقات

حیدرآباد (10 جولائی)۔ بیرسٹر اسدالدین اویسی (صدر کل ہند مجلس اتحادالمسلمین ورکنِ پارلیمنٹ، حیدرآباد) کی ہدایت اور جناب اکبرالدین اویسی (رکن اسمبلی چندرائن گٹہ) کی نگرانی میں جناب مرزا رحمت بیگ قادری (رکن قانون ساز کونسل مجلس) نے ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن اینڈ اسٹیٹ پروجیکٹ آفیسر، تلنگانہ ڈاکٹر ای نوین نکولس (آئی اے ایس) سے ملاقات کرتے ہوئے DSC-2024 (پرائمری اور سکنڈری ایجوکیشن) کے ذریعے اردو میڈیم اساتذہ کی تقرری اور دیگر امور پر بات کی۔ اس موقعے پر اساتذہ بھی موجود تھے۔

مرزا رحمت بیگ قادری نے ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن اینڈ اسٹیٹ پروجیکٹ آفیسر کو بتایا کہ اردو میڈیم ایس جی ٹی ایس، ایس اے ایس، ایل پی ایس اور پی ای ٹی کے اساتذہ کو جو ڈی ایس سی-2024 سے خالی ہیں اُن پر اردو میڈیم اسکولوں کے اساتذہ کا تقرر کرنے کا مطالبہ کیا تا کہ اقلیتی طبقے کے اساتذہ کو فائدہ ہو سکے۔ انھوں نے بتایا کہ مذکورہ پوسٹیں 11006 بتائی جاتی ہیں جب کہ اردو میڈیم کی 1183 پوسٹ خالی ہیں، 530 پر تقرری کی گئی جب کہ 660 پوسٹیں خالی ہیں۔ مرزا رحمت بیگ قادری (ایم ایل سی) نے کہا کہ اردو میڈیم اساتذہ کی جو پوسٹیں خالی ہیں، اُن پر عام زمرے کے تحت اردو جاننے والے امیدواروں کی تقرری کی جائے۔ اس موقعے پر ضروری جی او، اور صدرِ مجلس بیرسٹر اسدالدین اویسی کا خط انھیں حوالے کیا۔ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن اینڈ اسٹیٹ پروجیکٹ آفیسر نے یقین دلایا کہ وہ اس اہم مسئلے کو متعلقہ عہدیداروں سے تفصیلی بات چیت کرتے ہوئے جلد سے جلد حل کریں گے۔ (اعتماد۔حیدرآباد)

ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو کو فروغ دینے میں حکومت ناکام

اردو آفیسرس کی خدمات صرف اقلیتی بہبود تک محدود، عوامی مسائل سے آگہی میں حکومت اور اس کے متعلقہ عہدیداروں کی لاپروائی

نظام آباد (15 جون)۔ اردو ریاست کی دوسری سرکاری زبان ہے۔ اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے ریاستی حکومت کی جانب سے بڑے پیمانے پر اقدام کرتے ہوئے تلنگانہ کے تمام اضلاع میں 55 مترجم (ٹرانسلیٹرس) کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے۔ ان مترجموں کو سرکاری طور پر انجام دینے والے پروگراموں کی تشہیر کے لیے اردو میں پریس نوٹ جاری کرنے، اردو اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کا ترجمہ کرنے کے بعد ضلع انتظامیہ کو واقف کروانے اور نوٹ فائل تیار کرتے ہوئے اسے ضلع کلکٹر کو روانہ کرنے، نیز اردو میں دی جانے والی درخواستوں کا ترجمہ کرتے ہوئے متعلقہ عہدیداروں کو نوٹ فائل دینے کی ذمے داری ہے لیکن حکومت نے جس مقصد کے تحت اردو آفیسروں کا تقرر عمل میں لایا ہے اس پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے۔ اردو آفیسروں کو ضلع کلکٹر کی نگرانی میں دیا گیا تھا لیکن حکومت کی جانب سے اردو آفیسر کی خدمات کو کلکٹر کے بجائے محکمۂ اقلیتی بہبود کے حوالے کرتے ہوئے اقلیتی بہبود سے متعلق ذمے داری تفویض کی گئی ہے جس کی وجہ سے حکومت کا مقصد فوت ہوتا جا رہا ہے۔ ضلع میں کسی بھی دفتر میں اردو میں درخواست دینے کی صورت میں اس کو قبول تک نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہر پیر کے روز ضلع انتظامیہ کی جانب سے پرجاوانی پروگرام کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے اور اس موقعے پر اردو میں درخواست دینے کی صورت میں یہاں پر موجود اردو آفیسر کی ذمے داری ہے کہ فوری اس کا ترجمہ کرتے ہوئے متعلقہ عہدیداروں کو حوالے کرے لیکن نظام آباد میں ایسا کوئی کام انجام نہیں دیا جا رہا ہے، نہ صرف نظام آباد بلکہ دوسرے مقامات پر بھی یہ شکایت عام ہے۔ اردو اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کا ترجمہ ناگزیر سمجھا جاتا ہے کیوں کہ تلگو اور انگریزی زبانوں میں جس طرح خبروں کی اشاعت عمل میں لائی جاتی ہے اسی طرح اردو زبان میں بھی خبروں کی اشاعت عمل میں لائی جاتی ہے۔ لیکن اس کا ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے متعلقہ محکموں کے عہدیداروں کو اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں رہتی ہے جس کی وجہ سے خبروں کی اشاعت کے باوجود بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے، اس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اردو کے ساتھ ناانصافی خود اردو آفیسر کر رہے ہیں کیوں کہ جن مقاصد کے تحت ان کا تقرر کیا گیا تھا وہ مقصد فوت ہو رہا ہے اور یہ عہدیدار بھی اردو زبان کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے اپنی جانب سے کوئی پہل نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی اس بارے میں کوئی تفصیلات بتانے کے لیے تیار ہیں۔ سال 2018 میں بی آر ایس کے دورِ حکومت میں ان عہدیداروں کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا، اس کے بعد سے مسلسل اردو اخبارات کے نمائندوں کی جانب سے ضلع انتظامیہ، میڈیا اور اکیڈمی کے چیئرمین کو اس جانب توجہ مبذول کرانے کے باوجود بھی حکومت میں موجود نمائندوں نے ابھی تک اس بارے میں بات چیت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لہٰذا حکومت نے جن مقاصد کے ساتھ اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ فراہم کیا ہے، اس کو فعال بنانے کے لیے فوری طور پر عملی اقدام کرنے کا پُرزور مطالبہ کیا جانا چاہیے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

زبان زندہ تو قوم بھی زندہ

ممتاز افسانہ نگار و شاعر پروفیسر حمید سہروردی کی تہنیتی تقریب

حیدرآباد (12 جون، پریس ریلیز)۔ اگر کسی کو قوم کو تباہ کرنا ہے تو اس کی زبان ختم کر دی جائے، اس قوم کی تہذیب اور روایات زبان کے ختم ہونے سے خود ہی ختم ہو جائے گی، اس لیے اردو زبان کی برقراری ضروری ہے، ان خیالات کا اظہار معروف طنز و مزاح نگار ڈاکٹر عابد معز نے اپنی صدارتی تقریر میں کیا۔ وہ میڈیا پلس آڈیٹوریم حیدرآباد دکن میں ممتاز افسانہ نگار و شاعر پروفیسر حمید سہروردی کی تہنیتی تقریب سے مخاطب تھے، جس کا اہتمام میڈیا پلس فاونڈیشن نے کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ پروفیسر حمید سہروردی نے کالج اور یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ خود اپنے گھر میں بھی اردو کو رواج دیا ہے۔ یہ سماج کی ذمہ داری ہے کہ وہ اردو کو مقام دلائے۔ انھوں نے معروف ادیب جناب فاروق ارگلی کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ آج کے دور میں جو بھی اردو کی خدمت کر رہا ہے وہ عبادت کے برابر ہے۔ ادیبہ محترمہ رفیعہ نوشین نے جناب حمید سہروردی کی شخصیت، فن اور خدمات پر اپنا خاکہ پیش کیا۔ رفیعہ نوشین نے کہا کہ حمید سہروردی لفظوں کے ساحر ہیں۔ اس دوران انھوں نے حمید سہروردی کی متعدد نظموں کا تجزیہ بھی پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ حمید سہروردی کی نظموں میں جدید خیالات اور مشاہدے کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے دوران اس دور کی تحریروں سے حمید سہروردی بے حد متاثر ہوئے۔ تجریدی اور علاماتی افسانوں میں بھی حمید سہروردی کا نام نمایاں رہا ہے۔ انھوں نے اپنے معنوی استاد جوگیندر پال پر مونوگراف بھی لکھا۔ پروفیسر حمید سہروردی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حیدرآباد کی علمی و ادبی روایات رہی ہے کہ یہاں اہلِ علم کا دل کھول کر استقبال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس محفل کے انعقاد پر منتظمین اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقعے پر پروفیسر حمید سہروردی کی نامور مشاہیر کے نام خطوط پر مشتمل ان کے فرزند ڈاکٹر غضنفر اقبال کی مرتبہ کتاب 'چٹھیاں' کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال نے اپنے والدِ محترم کی علمی و ادبی سفر پر تفصیلی روشنی ڈالی اور اپنی مرتبہ کتاب 'چٹھیاں' کے بارے میں کہا کہ یہ ہندو پاک کے مشاہیرِ ادب کے خطوط کا مجموعہ ہے جو حمید سہروردی کے نام لکھے گئے۔ ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز (مدیر ہفت روزہ 'گواہ') نے اس محفل میں نظامت کے فرائض انجام دیے اور اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا۔ اس تہنیتی تقریب کے دوران مشاعرہ بھی منعقد ہوا جس میں ممتاز شعرا نے اپنے کلام پیش کیے۔ لطیف الدین لطیف، شکیل حیدر، سعداللہ خان سبیل، بصیر خالد، سلیمان عبدالقدیر صدیقی اعتبار اور رفیعہ نوشین نے اپنا کلام پیش کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر نوید جعفری، مجاہد محی الدین، محمد علاء الدین ذکی، مظفر حسین اور عبدالرحمٰن کے علاوہ بڑی تعداد میں ادب دوستوں نے شرکت کی۔

◆◆

رفتید ولے نہ از دلِ ما

پروفیسر چودھری محمد نعیم

شکاگو۔ اردو کے ممتاز ادیب، مفکر اور دانش ور پروفیسر چودھری محمد نعیم کا 9 اور 10 جولائی 2025 کی درمیانی شب میں شکاگو میں حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ وہ تقریباً 89 برس کے تھے۔ ان کی تجہیز و تدفین شکاگو شہر میں ہی عمل میں آئی۔ وہ بنیادی طور پر قصبہ کرسی، بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ پروفیسر چودھری محمد نعیم جو کہ پروفیسر سی ایم نعیم کے نام سے مقبول تھے، 3 جون 1936 کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد چودھری محمد مسعود ضلع کے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم بارہ بنکی میں ہوئی، اس کے بعد انھوں نے لکھنؤ یونی ورسٹی سے ایم اے اردو کیا، پھر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہ امریکہ چلے گئے جہاں انھوں نے لسانیات کے شعبے میں خدمات انجام دیں اور یہاں بھی اپنی محنت اور لگن کی بنا پر وہ شعبۂ لسانیات شکاگو یونی ورسٹی میں صدر مقرر ہوئے اور یہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد انھیں پروفیسر ایمریٹس مقرر کیا گیا۔ اس طرح وہ تادمِ آخر سرگرمِ عمل رہے۔

چودھری محمد نعیم نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں 'ذکرِ میر' میر تقی میر کی سوانحِ حیات کا انگریزی ترجمہ اور 'عقل و دل' کافی مقبول ہوئیں۔ وہ ایشیا سوسائٹی نیویارک اور یونی ورسٹی شکاگو پریس جیسی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے۔ پروفیسر چودھری محمد نعیم کے بھتیجے چودھری طالب نجیب کوکب نے بتایا کہ 10 جولائی کی شب میں انھیں شدید قلبی دورہ پڑا، اس کے بعد انھیں اسپتال لے جایا گیا، مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ ان کے بیٹے چودھری محمد طارق ان کے ساتھ موجود تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : یادیں باتیں چہرے لوگ (شخصی تاثرات)

مصنف : محمد اویس سنبھلی

اشاعت : اپریل 2025

قیمت : 300 روپے

ضخامت : 240 صفحات

ناشر : نعمانی پرنٹنگ پریس، 178/157، بارود خانہ، گولا گنج، لکھنؤ-226018

تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

محمد اویس سنبھلی نئی نسل کے نمائندہ قلم کار ہیں۔ انھوں نے اپنی تحقیقی، تنقیدی و شگفتہ تحریروں سے ادبی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ موصوف نے ارضِ سنبھل کے علمی و ادبی خانوادے میں آنکھیں ضرور کھولیں لیکن لکھنؤ ان کا وطنِ ثانی ہے۔ لکھنؤ میں اویس صاحب نے اپنی ادبی، علمی اور کاروباری سرگرمیوں کو پروان چڑھایا۔ موجودہ ادبی، سیاسی وصحافتی منظرنامے پر ان کی عقابی نظر ہے۔ ان کی علمی، ادبی وصحافتی آبیاری میں حفیظ نعمانی جیسے مایہ ناز صحافی کا کردار نمایاں ہے۔ اس بات کا اعتراف خود اویس سنبھلی نے زیرِ نظر کتاب میں یوں کیا کہ ”مجھے بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے والا ماحول ملا اور اسی میں میری پرورش و پرداخت ہوئی، اس پر مزید سعادت یہ کہ حفیظ نعمانی جیسے ممتاز صحافی سے سیکھنے اور جاننے کے مواقع نصیب ہوئے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میرا جو نام یا پہچان ہے، اس میں بڑا دخل اس بات کا ہے کہ میں حفیظ نعمانی کا بھانجہ ہوں۔ مجھے اس پر فخر بھی ہے۔“ (ص9) 'یادیں باتیں چہرے لوگ' اویس سنبھلی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل 'کاوشیں' عنوان سے ان کے مضامین کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ان کی اب تک ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اویس سنبھلی نے زیرِ نظر کتاب 'یادیں باتیں چہرے لوگ' میں اُن شخصیات کے بارے میں لکھا جو اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں یا ابھی قیدِ حیات ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں دارِ فانی سے کوچ کرنے والی 15 شخصیات اور 10 زندہ لوگوں کی باتوں، یادوں، ملاقاتوں اور ادبی، سماجی وفلاحی خدمات کو صفحۂ قرطاس کی زینت بنایا۔ انھوں نے کتاب کے پہلے باب 'خراجِ عقیدت' میں عرفان عباسی، حفیظ نعمانی، پروفیسر شارب ردولوی، ایچ. ایم. یاسین، مقصود الٰہی شیخ، انور ندیم، سیّد ضیاء الحسن، سعادت علی صدیقی، رمن اگروال، سید محمد حسان نگرامی، منور رانا، امین الدین شجاع الدین، مشرف عالم ذوقی، وقار رضوی اور فرقان سنبھلی کو تحریری خراج پیش کیا ہے۔ موصوف کی ان تحریروں کو ہم وفیاتی تحریر سے موسوم کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ تمام تحریریں مذکورہ بالا شخصیات کی وفات کے بعد منصۂ شہود پر آئیں۔ ان تحریروں میں اویس سنبھلی نے اپنے ذاتی تعلقات، ادبی مراسم اور ان شخصیات کے کارہائے نمایاں کو موضوع بنا کر قارئین کے سامنے پیش کیا۔ ان تحریروں میں جذبات کا ایک سیلِ رواں بھی موجزن ہے۔ بعض مضامین میں واقعات کی جزئیات کو پڑھ کر آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ موصوف نے ان مضامین میں اعتدال کا دامن تھامے رکھا ہے۔ جزئیات نگاری کی سحرانگیزی کے سبب دورانِ مطالعہ قاری اویس سنبھلی کی تحریروں میں غوطہ زنی کرتا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب 'چراغ روشن ہیں' میں اویس سنبھلی نے احمد ابراہیم علوی، ڈاکٹر رضیہ حامد، ڈاکٹر صبیحہ انور، ڈاکٹر کشور جہاں زیدی، حکیم وسیم احمد اعظمی، معصوم مرادآبادی، اقبال اشہر، رضوان فاروقی اور ڈاکٹر عمیر منظر کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ان مضامین میں اویس صاحب نے زندہ لوگوں کی بے جا تعریف کرنے اور مبالغہ آرائی سے پرہیز کیا ہے۔ یہ ان کی علمی و ادبی دیانت داری کا مسلّم ثبوت ہے۔ مذکورہ بالا شخصیات سے اویس صاحب کے ذاتی و ادبی تعلقات ہیں اور ان میں سے بعض شخصیات دورِ حاضر کے ادبی منظرنامے پر اپنا ادبی اثر رکھتی ہیں لیکن اس کے باوجود اویس سنبھلی نے اپنے قلم پر جذبات و تعلقات کو حاوی ہونے نہیں دیا۔ انھوں نے صرف زندہ لوگوں کی ادبی و علمی فتوحات کو ہی موضوعِ بحث بنایا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں اویس سنبھلی نے جن شخصیات پر قلم اٹھایا ہے وہ ان کے علمی اور ادبی کارناموں سے متاثر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وفات کے بعد لکھی جانے والی تحریروں میں جذبات، تاثرات اور تعلقات کا ٹھاٹھے مارتا سمندر موجزن رہتا ہے، لیکن اویس سنبھلی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جس شخص کو جیسے دیکھا اُس کی ویسی ہی قلمی تصویر قارئین کے سامنے پیش کی۔ انھوں نے واقعات کو جس میانہ روی کے ساتھ قلم بند کیا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اویس سنبھلی کی تعلیم، پرورش و پرداخت کس نہج پر ہوئی ہے۔ منور رانا کی شاعری اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کا جہاں اویس صاحب نے بے باکی کے ساتھ تذکرہ کیا وہیں سنبھل میں منعقد مشاعرے کے معاوضے کا ذکر بھی طمطراق کے ساتھ کیا ہے۔ اس مشاعرے میں منور رانا کو شرکت کرنا تھی لیکن معاوضے کی رقم کم ہونے کی وجہ سے وہ اس مشاعرے میں شریک نہیں ہو پائے۔

رمن لال اگروال، جو کہ لکھنؤ کے ایک کاروباری شخص اور شاعر تھے۔ وہ اپنے گاہکوں اور ملاقاتیوں کو اپنی شاعری سے محظوظ کرتے رہتے تھے۔ اویس سنبھلی نے رمن اگروال سے اپنی ملاقات اور ان کی شاعری کے قصوں کو جس انداز میں بیان کیا وہ قابلِ تعریف ہے۔ یہاں تک کہ رمن صاحب کے پہلے شعری مجموعے 'ذکرِ وفا' کی اشاعت اور ترتیب کے فرائض اویس سنبھلی نے ادا کیے، لیکن اس مضمون میں انھوں نے رمن اگروال کی ڈائری کا خصوصی ذکر کیا جس میں وہ شاعروں، ادیبوں، اخبارات کے مدیران کو اپنی غزلوں کی اشاعت کے واسطے دی گئی رقم کا حساب لکھتے تھے۔ ان لوگوں میں ایسے کئی بڑے شاعر، ادیب اور مدیر شامل تھے جن کا نام لکھنے سے خود اویس سنبھلی نے پرہیز کیا ہے۔

مشرف عالم ذوقی سے اویس سنبھلی کے تعلقات 31 مئی 2020 کو شائع ہوئے اویس صاحب کے مضمون 'چلی ہے رسم کہ مسلمان نہ سر اُٹھا کے چلے' شائع ہونے کے بعد قائم ہوئے۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد ذوقی صاحب نے انھیں فون پر مبارک باد دی۔ اس کے بعد ان کے تعلقات میں محبت و مروت شامل ہو گئی۔ مشرف عالم ذوقی نے اپنے ناول اور اپنی شریکِ حیات تبسم فاطمہ کی کتابیں برائے مطالعہ اویس سنبھلی کی خدمت میں پیش کیں۔ دونوں کی ٹیلی فونک گفتگو کا سلسلہ گھنٹوں برقرار رہتا۔ اپنی وفات سے کچھ دن قبل ذوقی صاحب نے اویس سنبھلی کی مرتّبہ کتاب 'حفیظ نعمانی: ایک عہد ایک تاریخ' موصول ہونے پر مبارک باد پیش کی۔ اس گفتگو میں انھوں نے اپنی بیگم کی والہانہ محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ تبسم میرے بغیر چوبیس گھنٹے بھی زندہ نہیں رہ سکتی، اور ہوا بھی یہی۔ مشرف عالم ذوقی کی وفات کے چوبیس گھنٹے کے اندر ہی تبسم فاطمہ نے اس دنیا کو خیرباد کہہ دیا۔

فرقان سنبھلی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اویس صاحب نے لکھا کہ فرقان سنبھلی ابتدا میں اُردو اور ہندی اخبارات میں کام کرتے تھے۔ سنبھل میں منعقدہ مشاعرے میں ان کی ملاقات فرقان سنبھلی سے ہوئی۔ یہیں سے دونوں کے تعلقات استوار ہونا شروع ہوئے۔ فرقان سنبھلی سائنس کے طالبِ علم تھے لیکن اُردو زبان کی شیرینی نے انھیں اس قدر متاثر کیا کہ انھوں نے باقاعدہ اُردو کی تعلیم حاصل کی اور یو.جی.سی نیٹ کے بعد علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے پروفیسر ابوالکلام قاسمی کی زیرِ نگرانی 'آزادی کے بعد اُردو فکشن' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ 'آبِ حیات' منظرِ عام پر آیا۔ اس کے بعد ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ لیکن کورونا وبا کی پہلی لہر میں فرقان سنبھلی ہم سب کو الوداع کہہ گئے۔

زیرِ نظر کتاب کے دوسرے باب میں اویس سنبھلی نے ڈاکٹر عمیر منظر کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ ”شعر و ادب کے میدان میں جو قلم کار نہایت سنجیدگی سے سرگرمِ عمل ہیں ان میں ایک نام ڈاکٹر عمیر منظر کا بھی ہے۔“ عمیر منظر نے واقعی خاموشی کے ساتھ اپنے علمی و ادبی سفر کی منازل طے کی ہیں۔ انھوں نے جامعۃ الفلاح (اعظم گڑھ) اور جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے تعلیم حاصل کی۔ فی الحال آپ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونی ورسٹی، لکھنؤ کیمپس کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے تحقیقی و تنقیدی تحریروں سے قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کی ہے۔ ان کی کتابوں کو ملک کی متعدد اکادمیوں نے انعامات و اعزازت سے نوازا ہے۔ مشاعروں کی نظامت وہ خوب صورت انداز میں کرتے ہیں۔ اپنے خوردوں اور عزیزوں سے موصوف بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اویس سنبھلی نے اپنے مضمون میں عمیر منظر کی صلاحیتوں کا صدقِ دل سے اعتراف کیا ہے۔ مشہور صحافی معصوم مرادآبادی کے بارے میں اویس سنبھلی نے لکھا کہ انھیں ابتدا سے ہی شخصیات پر لکھنے کا ملکہ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے معصوم صاحب کی صحافیانہ خدمات کا مکمل احاطہ کیا ہے۔ اقبال اشعر کی شعری خدمات کو اویس صاحب نے کوزے میں بند کیا ہے۔ اویس سنبھلی نے حکیم وسیم اعظمی کی طبی و ادبی خدمات کا جائزہ جامع انداز میں مضمون میں لیا ہے۔

بہرنوع! اویس سنبھلی نے زیرِ نظر کتاب میں وفیاتی و حیاتیاتی تحریروں میں ادبی شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنی باتوں میں لوگوں کے چہرے پڑھ کر ان کی قلمی تصویر قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔ کتاب کا انتساب مشہور نقاد اور ادیب جناب حقانی القاسمی کے نام ہے۔ حرفِ آغاز معصوم مرادآبادی نے اور پیش لفظ شکیل رشید نے لکھا ہے۔ اس موقعے پر راقم اویس سنبھلی کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی مصروف ترین کاروباری زندگی پر ادب کو فوقیت دی ہے۔ امید قوی ہے کہ وفیات نگاری اور تاثرات پر مبنی کتابوں میں اویس سنبھلی کی زیرِ نظر کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

◆◆◆

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

شاہد کمال کے منتخب اشعار کی ادراکی تفہیم

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

صفحہ 70 پر:

الٰہی خیر ہو حسن طلب کی　　نظر سے پھر نظر ٹکرا رہی ہے

اس میں روحانی تلاش کے دوران پیش آنے والے ادراکی تصادم کا اظہار ہے۔ 'نظر سے نظر ٹکرانا' سے ظاہری اور فوری مراد تو نظریں یا آنکھیں لڑ جانا اور عشق ہو جانا ہے لیکن دراصل یہ مختلف سطحوں پر چلنے والے مشاہدے اور دریافت کے درمیان ٹکراؤ کی علامت بھی ہے۔ شاعر دعا کرتا ہے کہ حسنِ طلب (تلاش کا جمال) خیریت سے گزرے، مگر ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کرتا ہے کہ راستہ ہموار نہیں ہے۔ شعر قاری کے ذہن میں یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا حقیقت کی تلاش میں ٹکراؤ ناگزیر ہے۔

صفحہ 72 کا شعر:

میں جب بھی آئینے میں خود کو دیکھتا ہوں کمال
تو جی کرے ہے ترا احترام کرنے کو

یہ شعر بہت واضح انداز میں خودی اور خدا کے درمیان ادراکی رشتے کو ظاہر کرتا ہے۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھنا دراصل خودشناسی کا عمل ہے، لیکن شاعر کو اس عمل کے نتیجے میں خدا کی تعظیم کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ خودشناسی اور خداشناسی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ شاعر کے نزدیک اپنی ذات کو پہچاننا خدا کو پہچاننے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

صفحہ 73 پر:

میں جدھر جدھر گیا ہوں ترا عکس سامنے تھا
مجھے تھام لینے والے ترا نام ہی خدا ہے

میں شاعر نے خدا کی ہر جگہ موجودگی کے تصور کو پیش کیا ہے۔ 'ترا عکس' ہر سمت نظر آنا دراصل شاعر کے ذہن میں خدا کے تصور کی ہمہ گیری کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں خدا کو 'تھام لینے والا' کہہ کر شاعر ایک ایسی ہستی کا اظہار کرتا ہے جو نہ صرف موجود ہے بلکہ انسان کی گرفت میں آنے والی اور مددگار ہے۔ یہ شعر قاری کے ذہن میں خدا کے تصور کو مجسم کر دیتا ہے۔

صفحہ 116 پر:

جہاں ہے تو میری منزل وہی ہے
جہاں میں ہوں تو رہتا ہے وہیں پر

میں شاعر نے منزل اور مقام کے درمیان فرق مٹا دیا ہے۔ پہلے مصرعے میں منزل خدا کی موجودگی میں تلاش کی جاتی ہے، جب کہ دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ جہاں وہ موجود ہے وہیں خدا بھی ہے۔ یہ شعر ادراکی تنقید کے نقطۂ نظر سے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان اپنی منزل کو دور تلاش کرتا ہے، حالاں کہ حقیقت اس کے اپنے وجود میں پنہاں ہے۔

صفحہ 130 پر:

بنا بنا کے مجھے خود ہی توڑتا ہے کمال
یہ اس کا ذوقِ ہنر ہے مرا مقدر ہے

میں شاعر نے خالق اور مخلوق کے درمیان ایک خاص قسم کے رشتے کو پیش کیا ہے۔ 'بنانا اور توڑنا' دراصل تخلیق اور تخریب کے مسلسل عمل کی عکاسی کرتا ہے۔ شاعر اسے خالق کا 'ذوقِ ہنر' قرار دیتا ہے اور اپنی جانب سے اسے 'مقدر' تسلیم کر لیتا ہے۔ یہ شعر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ کیا انسان کی تکمیل اسی تخلیق و تخریب کے عمل سے گزر کر ممکن ہے؟۔

شاہد کمال کی شاعری میں یہ تمام اشعار مل کر ایک ایسے ادراکی سفر کی نشاندہی کرتے ہیں جس میں انسان اپنی ذات، اپنے خالق اور اپنے مقامِ وجود کو تلاش کرتا ہے۔ ان اشعار میں پنہاں سوالات، تضادات اور دریافتوں کے ذریعے شاعر قاری کے ذہن کو جھنجوڑتا ہے اور اسے اپنے وجود کے اسرار کو سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی یہ کتاب نہ صرف شاعری کا شاہکار ہے بلکہ انسانی ذہن کی گہرائیوں میں اترنے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔

شاہد کمال کی شاعری میں ایک گہرا روحانی رنگ، عرفانِ ذات اور خالق سے قربت کی جستجو نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ ان کے کلام میں خدا محض ایک ماورائی طاقت نہیں بلکہ ایک ایسا زندہ، حاضر و ناظر وجود ہے جو انسان کی روح کے نہاں خانوں میں بسا ہوا ہے۔ ان کے اشعار میں خدا اور انسان کے رشتے کو نہ صرف عقیدت کے پیرایے میں دیکھا گیا ہے بلکہ اسے ایک ذاتی، جذباتی اور فکری تجربے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک خدا کو انسان کے باطن میں موجود ایک ایسی قوت کے طور پر ظاہر کرتا ہے جو انسان کو تسلی اور اعتماد عطا کرتی ہے۔ جب انسان کو یہ شعور ہو جائے کہ اس کے اندر خدا کا عکس ہے، تو تمام غم بے معنی محسوس ہونے لگتے ہیں۔

شاعر اس عمومی تصور کی نفی کرتا ہے کہ خدا صرف عبادت گاہوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ خدا انسان کے دل کے قریب تر ہے، عبادت گاہوں سے زیادہ روح کے اندر ہے۔ وہ خدا کی بطورِ خالق لافانی صفات کو بیان کرتے ہیں۔ خدا وہ ہستی ہے جو کائنات کا خالق ہے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے فنا کر دے۔ انسان کی تخلیق اور اس کی تقدیر کے بارے میں گہری سوچ پیش رکھنے والا شاہد کمال خدا کے 'ذوقِ ہنر' کو تسلیم کرتا ہے مگر ساتھ ہی اپنی بے بسی کو بھی اجاگر کرتا ہے کہ وہ محض ایک فن پارہ ہے جسے بنایا بھی گیا اور توڑا بھی جا رہا ہے۔ ان کے اشعار میں جگہ جگہ صوفیانہ طرزِ فکر کی عکاسی ملتی ہے، جہاں دنیاوی بادشاہت کو ترک کر کے خدا سے قربت کو اصل سلطانی مانا گیا ہے۔ فقیر، جو دنیا سے بے نیاز ہے، دراصل خدا کا محبوب بندہ ہوتا ہے۔

خدا کی محبت ایک عاشق کی محبت کی مانند بیان ہوئی ہے۔ شاعر ہر جگہ، ہر لمحہ خدا کے جلوے کو محسوس کرتا ہے، گویا وہ ایک محبوب کی مانند ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانی بے بسی کو بھی اپنے شعری اظہار کا حصہ بناتا ہے جہاں دعا، شفا، اور حتیٰ کہ خود مرض بھی خدا کی مشیّت پر چھوڑ دی جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں خدا کو ایک فیصلہ ساز قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو انسان کی تمام کوششوں سے بالاتر ہے۔

خدا اور انسان کے درمیان ابدی ہمراہی کی گواہی ان کی شاعری کا کلیدی موضوع ہے۔ شاعر خدا کو اپنے سفر اور قیام، دونوں کا ساتھی مانتا ہے، جو کبھی جدا نہیں ہوتا بلکہ خودشناسی کے آئینے میں خداشناسی کا عمل ہر پل جاری و ساری رہتا ہے۔ جب انسان خود کو پہچانتا ہے تو گویا وہ خدا کی تخلیق کے جمال اور بزرگی کو دیکھتا ہے۔

شاہد کمال کی شاعری میں خدا کا تصور روایتی مذہبی دائرے سے نکل کر ایک زیادہ انفرادی اور باطنی تجربہ بن جاتا ہے۔ ان کے اشعار میں خدا کبھی محبوب ہے، کبھی خالق، کبھی فنا کرنے والا، اور کبھی دل کے اندر چھپا رفیق۔ انسان اور خدا کے تعلق کو انھوں نے درد، عشق، دعا، تقدیر اور خودشناسی کے آئینے میں پیش کیا ہے، جو قاری کو نہ صرف روحانی طور پر جھنجھوڑتا ہے بلکہ ایک گہری فکری کیفیت میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔ یہی خصوصیت شاہد کمال کو ایک منفرد اور باکمال صوفی شاعر کے درجے پر فائز کرتی ہے۔

فرحت عباس شاہ
E-mail: farhatabbasshah64@gmail.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات) ڈاکٹر ماجد دیوبندی		300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیوؤں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال) مترجم: سیّد وجاہت مظہر		500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر…	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

شاہد کمال کے منتخب اشعار کی ادراکی تفہیم

فرحت عباس شاہ

پروفیسر شاہد کمال کراچی کے ممتاز شاعر، محقق، دانشور اور ترقی پسند ادبی روایات کے عظیم پاسدار ہیں جن کا نام اردو ادب کے افق پر ایک درخشندہ ستارے کی مانند ثبت ہے۔ 1961 میں کراچی میں آنکھ کھولنے والی اس عہد آفریں شخصیت نے 35 برس تک تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے علم کی شمع کو فروزاں رکھا۔ 1985 سے شعر و ادب کی دنیا میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑنے والے پروفیسر شاہد کمال نے شاعری، تنقید، تحقیق اور علم اللسان جیسے متنوع میدانوں میں یکساں مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ 'رسمِ تکلم' اور 'مجھے اک بات کہنی ہے' جیسی شاعری کے شاہکار، 'کراچی میں اردو غزل و نظم' اور 'میانِ من و تو' جیسی تحقیقی و تنقیدی معرکۃ الآرا کتب، نیز 'جہانِ قواعد و انشا' جیسی گرائمر کی گراں قدر تصنیف ان کی جامع کمالات علمی شخصیت کی شاہد ہیں۔ انڈیا سے شائع ہونے والی ان کی تصانیف بین الاقوامی سطح پر ان کی پذیرائی کی گواہ ہیں جب کہ 'لغتِ جدید' جیسے عظیم علمی منصوبے پر کام ان کی علم نوازی کی دلیل ہے۔ متعدد ایم فل مقالہ جات کی نگرانی اور دس سال سے زائد عرصے پرنسپل کے عہدے پر فائز رہ کر انھوں نے علمی و انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ پروفیسر شاہد کمال اردو ادب کی وہ روشن کرن ہیں جن کا تخلیقی و فکری سرمایہ نہ صرف موجودہ بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

درج ذیل میں ان کے خدا کے موضوع پر تخلیق کیے گئے اشعار کی ادراکی تحلیل پیش خدمت ہے:

اور بڑھ جاتا ہے اس دم غم بے حیثیت
جب کوئی مجھ سے کہے تجھ میں خدا رہتا ہے
(ص 24)

یہ میں ہوں جو تجھے دیر و حرم میں ڈھونڈتا ہوں
یہ تو ہے جو مرے دل کے قریں بیٹھا ہوا ہے
(ص 38)

آپ اپنے دیکھنے کے لیے نقش کائنات
خود ہی بنایا خود ہی مٹایا یہ کیا کیا
(ص 44)

سمٹ آتی ہے کاسے میں خدائی
فقیری میں یہ سلطانی بہت ہے
(ص 54)

مریضِ غم کو قسمت کے حوالے کر کے کہتے ہیں
مرض جانے، شفا جانے، دعا جانے، خدا جانے
(ص 58)

الٰہی خیر ہو حسن طلب کی
نظر سے پھر نظر ٹکرا رہی ہے
(ص 70)

میں جب بھی آئینے میں خود کو دیکھتا ہوں کمال
تو جی کرے ہے ترا احترام کرنے کو
(ص 72)

میں جدھر جدھر گیا ہوں ترا عکس سامنے تھا
مجھے تھام لینے والے ترا نام ہی خدا ہے
(ص 73)

جہاں پر ہے تو میری منزل وہی ہے
جہاں پر ہوں میں رہتا ہے تو وہیں پر
(ص 116)

بنا بنا کے مجھے خود ہی توڑتا ہے کمال
یہ اس کا ذوقِ ہنر ہے مرا مقدر ہے
(ص 130)

شاہد کمال کے شعری مجموعے 'مجھے اک بات کہنی ہے' کے منتخب اشعار پر ادراکی تنقیدی تھیوری کی روشنی میں تفہیم پیش کرتے ہوئے، ہم ان کی شاعری میں پنہاں انسانی ذہن کے پیچیدہ عملیات، عقیدتی کشمکش اور وجودی سوالات کی جہت نمائی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادراکی تنقید کا محور، تخلیق کار کے تہذیبی سیاق و سباق، قاری کے ذہنی عمل اور شعر کے درمیان ربط کو جانچنا ہے، جہاں شاعر کے الفاظ قاری کے ذہن میں تصورات، جذبات اور عقائد کے درمیان پیدا ہونے والے تعلق کو متحرک کرتے ہیں۔ شاہد کمال کے ہاں یہ عمل انتہائی گہرائی اور کثیر الابعادی انداز میں پیش ہوا ہے۔

صفحہ 24 پر درج شعر:

اور بڑھ جاتا ہے اس دم غم بے حیثیت
جب کوئی مجھ سے کہے تجھ میں خدا رہتا ہے

میں ادراکی تضاد کی کیفیت نمایاں ہے۔ یہاں خارجی بیان (تجھ میں خدا رہتا ہے) اور داخلی احساس (غم بے حیثیت) کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ شاعر کے لیے یہ دعوا غم کا باعث بن جاتا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کی محدود ذات میں لامحدود کی موجودگی کا اعلان اس کے اپنے وجودی اضطراب کو کیسے بڑھا دیتا ہے۔ قاری کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا یہ اضطراب خودشناسی کے عمل کا حصہ ہے یا پھر انسانی عجز کا اقرار؟ شاہد کمال کے ہاں یہ دونوں پہلو ملتے ہیں، جس سے ان کی شاعری میں انسانی خودشناسی کا وہ عمل عکس بند ہوتا ہے جو ادراکی تنقید کا مرکز ہے۔

صفحہ 38 پر:

یہ میں ہوں جو تجھے دیر و حرم میں ڈھونڈتا ہوں
یہ تو ہے جو مرے دل کے قریں بیٹھا ہوا ہے

اس شعر میں شاعر نے ظاہری مذہبی رسوم اور باطنی روحانی تجربے کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ پہلا مصرع بیرونی تلاش کی نمائندگی کرتا ہے، جو عمارتوں اور رسمی حدود تک محدود ہے، جب کہ دوسرا مصرع ایک ادراکی انقلاب پیش کرتا ہے: حقیقت تو دل کے قریب موجود ہے۔ یہ شعر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ کیا ہماری روحانی تلاش دراصل خود سے دوری کی علامت ہے؟ اس طرح شاعر ایک ایسے ادراکی سفر کی نشاندہی کرتا ہے جو خارج سے باطن کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

صفحہ 44 کا شعر:

آپ اپنے دیکھنے کے لیے نقش کائنات
خود ہی بنایا خود ہی مٹایا یہ کیا کیا

خدا یا نظام فطرت کی تخلیقی اور تخریبی دونوں صلاحیتوں کو یکجا کرتا ہے۔ 'نقشِ کائنات' کی تعمیر اور تخریب جہاں پورے نظام کی بنیادی ڈیزائن کی طرف اشارہ ہے بلکہ انسان کے اپنے ادراکی عمل کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ ہم اپنی دنیا کو اپنے تصورات کے مطابق تشکیل دیتے ہیں، پھر اسے نئے سرے سے تعمیر کرتے ہیں۔ یہ عمل مسلسل ہے اور شاعر کے ہاں یہی انسان کا مقدر بن جاتا ہے۔ قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا یہ خود آگہی کی تکمیل ہے یا پھر ایک دائمی آزمائش؟۔

صفحہ 54 پر:

مریضِ غم کو قسمت کے حوالے کر کے کہتے ہیں
مرض جانے، شفا جانے، دعا جانے، خدا جانے

میں انسان کی بے بسی اور مجبوری کا اظہار ہے۔ یہاں 'قسمت کے حوالے' کرنا دراصل ایک ادراکی ہتھیار ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ذمہ داری سے فرار حاصل کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی چاروں مصرعے (مرض، شفا، دعا، خدا) عدمِ یقین کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ شاعر یہ بتاتا ہے کہ جب انسانی عقل اپنی حدوں کو چھو لے تو پھر وہ مجبوراً تقدیر کے رحم و کرم پر چلا جاتا ہے۔ یہ شعر قاری کو اس سوچ پر مجبور کرتا ہے کہ کیا تقدیر پر ایمان دراصل عقل کی شکست ہے۔ ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی- 110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***